© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

قرآن کے اسالیبِ دعوت و استدلال

(۲)

(تسلسل کے لیے ملاحظہ ہو شمارہ ماہ مارچ ۱۹۷۱ء)

دعوت اور اسلوب دعوت کے سلسلہ میں اس حقیقت کا جان لینا بھی بہت ضروری ہے کہ مجادلہ کا حربہ صرف اس وقت آزمایا جائے گا۔ جب دعوت و موعظہ حسنہ کے تمام حربے ناکام رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی آیتِ دعوت میں اسے بالکل آخر میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اصل دعوت کا جز نہیں بدرجۂ آخر ایک مجبوری کا علاج ہے۔ اور اس نکتہ کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ مجادلہ کے مناظرانہ اصطلاح میں حدود اور قاعدے ہیں۔ اگر ان کی رعایت رکھی جائے گی۔ تو یہ مجادلہ مفید نتائج پیدا کرے گا۔ ورنہ یہ صرف جھڑپ یا اظہارِ علم و مشیخت کا ایک اسلوب قرار پائے گا۔ غور کیجیے گا۔ تو ان آداب و حدود کی یوں وضاحت کی جا سکتی ہے۔

۱۔ فریقین کو مابہ النزاع مسئلہ کی تفصیلات سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہیے۔

۲۔ جب ان میں بحث چھڑے، تو بحث کو حدود میں رکھنے کے لیے سامعین میں ایسے لوگوں کا رہنا ضروری ہے جو ان کو توجہ دلا سکیں، اور حدود مناظرہ سے باہر نہ جانے دیں۔

۳۔ معارضہ اور نقض کی صورت میں اصطلاحیں بالکل واضح اور دو ٹوک معانی کی حامل ہونی چاہیئے۔

۴۔ جواب میں یا تو اپنے موقف کی وضاحت ہونی چاہیے اور یا ایسے دلائل کو پیش کرنا چاہیے کہ جن سے مابہ النزاع مسئلہ زیادہ نکھر سکے۔ تکرار و اعادہ اور بار بار ایک ہی بات کو دہرانا غلط ہوگا۔

۵۔ دونوں کی غرض افہام و تفہیم ہو۔ اور دونوں کے سامنے نصب العین یہ ہو کہ ایک دوسرے کی معلومات سے استفادہ کرنا ہے اور مابہ النزاع مسئلہ کے مالہ و ما علیہ کو پوری طرح جاننا ہے۔ لیکن مجادلہ کی صورت بہرحال غیر پیغمبرانہ ہے۔ اس لیے اتنا تو ہو سکتا ہے کہ متنازعہ فیہ مسئلہ زیادہ نکھر جائے اور ایسی نئی نئی تفصیلات سامنے آجائیں جن کی روشنی میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔ یہ بھی عین ممکن ہے اس سے کسی حد تک استفادہ کیا جا سکے۔ لیکن اس نوع کے بحث و مناظرہ سے وہ بات حاصل نہیں ہو پاتی جسے تسکینِ قلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے ہیں۔ اور جس سے عقیدہ و ایمان میں تپش و ضو، پیدا ہوتی ہے۔ اس غرض کے لیے پیغمبرانہ اسلوبِ ہدایت ہی اختیار کرنا ہوگا۔ جس کو سورۂ نسا کی اس آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً ۔ (نساء: ۶۳)

اور ان سے ایسی بات کہو جو دلوں میں نفوذ کرتی چلی جائے۔

پیغمبرانہ اور غیر پیغمبرانہ اندازِ ہدایت میں دراصل اصولی فرق۔ نیت اور انداز کا ہے۔ پیغمبر جس دلسوزی ہمدردی اور محنت سے ایک بات ایک شخص یا گروہ کے دلوں میں اُتارنا چاہتا ہے۔ ایک مناظر قدرتی طور پر اس سے محروم ہوتا ہے۔ مناظر فریقِ مخالف کو شکست دینا چاہتا ہے۔ جب کہ ایک پیغمبر کی کوشش اور جدوجہد کا محور یہ جذبہ ہوتا ہے کہ اس کو کیونکر قائل کیا جائے۔ مناظر کی نظر مخالف کی ذہنی سطح اور ذہنی مجبوریوں پر پڑتی ہے اور پیغمبر کی نگاہ کا ہدف براہِ راست دل اور اس کی گہرائیاں ہوتی ہیں۔

نامناسب ہوگا اگر ہم یہاں علامہ ابنِ حزم کا تذکرہ نہ کریں۔ ان کا کہنا ہے کہ مناظرہ نہ صرف مستحسن ہے بلکہ فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ بحث و نظر کے حربے کو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم نے استعمال کیا ہے۔ اور ہم قرآن کی رُو سے ابراہیمی اُسوہ کی پیروی پر مجبور ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی احقاقِ حق کی خاطر مجادلہ اور بحث سے دامن کشاں نہیں رہنا چاہیے۔ اس دعوی کی تائید میں مزید ثبوت اس واقعہ سے مہیا ہوتا ہے کہ انبیا کے علاوہ مہاجرین و انصار نے مسئلہ خلافت سے متعلق بحث و مناظرہ کی طرح ڈالی اور حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت علیؓ کے حکم سے خوارج کو مناظرہ کے لیے للکارا اور یہ مناظرہ اس حد تک کامیاب رہا کہ سینکڑوں خوارج اپنے عقاید سے تائب ہو گئے۔ ان کا قول ہے کہ جو لوگ مجادلہ کی مخالفت میں عقلی و نقلی دلیل و برہان پیش کرتے ہیں وہ بھی تو آخر مناظرہ ہی کے بل پر ایسا کرتے ہیں اس لیے مناظرہ سے مفر کی صورت کہاں پیدا ہوئی۔ تضاد کی اس نوعیت کو وہ ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:-

ویتکلف فساد المناظرۃ بالمناظرۃ[1]

کہ ایسا شخص مناظرہ کے فساد و خلل کو مناظرہ ہی سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔

ابنِ حزم کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی کچھ اربابِ علم نے مجادلہ و بحث کی مضرتوں کو

---

[1] احکام فی اصول الاحکام جلد اول صفحہ ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھانپ لیا تھا لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ ابن حزم کے اس قول میں اس حد تک ضرور سچائی پائی جاتی ہے کہ اگر فکر و نظر اور دعوت و ابلاغ میں ایسا مرحلہ پیش آ ہی جاتا ہے جہاں اظہارِ حق کے لیے مناظرہ سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے تو اس مرحلہ پر اس سے گریز قطعی جائز نہیں۔ جو لوگ علامہ ابن حزم کے اسلوب تحریر سے آگاہ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر بات وہ زور دار انداز میں کہنے کے عادی ہیں۔ ان کا اصل مقصد اس زوردار عبارت سے صرف اس حقیقت کو اجاگر کرنا ہے کہ کسی عقیدہ کو بھی بغیر دلیل کے نہیں مان لینا چاہیے۔ خاص طور پر جب کوئی شخص اس عقیدہ کے بارہ میں برسرِ حق نہ ہو اور گمراہ کن عقاید کا حامل ہو۔ ایسی صورت میں اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بربنائے تقلید یہ اپنے ان عقاید پر مصر رہے۔ اس کو اس بات کی خو ڈالنا چاہیے اور یہ موقف اختیار کرنا چاہیے کہ اس کے عقاید کے خلاف اگر کوئی دلیل پیش کی جائے گی تو اس کے تسلیم کر لینے میں اس کو تامل نہیں ہوگا۔

علامہ کے نزدیک دلیل و بُرہان کی قوت ہی ایسی قوت ہے جو درحقیقت گردشِ لیل و نہار کے باوجود باقی رہنے والی اور قلب و ذہن کے جمود کو توڑنے والی ہے۔ یہ جب مجادلہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا مقصد خصم سے مقابلہ نہیں ہوتا۔ بلکہ طلب و جستجو کی ایسی کوشش ہوتی ہے جس سے دلیل و برہان کا افتاب پوری تابانی کے ساتھ، تقلید و جمود کی تاریکیوں سے باہر نکل آئے۔ دلیل و برہان اور تلوار یا جبر سے کسی عقیدہ کو منوانے میں کیا فرق ہے۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے انھوں نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

قل فللہ الحجۃ البالغۃ (انعام: ۱۴۹)	تم کہہ دو۔ اللہ ہی کی حجت، حجتِ بالغہ ہے۔
بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق (انبیا: ۱۸)	بلکہ ہم حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں اور وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔

"کہ ان آیات میں جس حجتِ بالغہ کا ذکر اور جس حق کا تذکرہ ہے، اس سے مراد دلیل و برہان ہے تلوار نہیں، کیونکہ تلوار کا اعتبار نہیں یہ کبھی ہمارے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی دشمن کے ہاتھ میں۔ دلیل و بُرہان کی رفاقتیں البتہ ہمیشہ حق کے ساتھ مخصوص رہیں گی یہی نہیں اس کی کاٹ اور ضرب سے باطل ہمیشہ لرزاں اور سرنگوں رہے گا۔ جبر اور تلوار نے اکثر حق ہی کو نقصان پہنچایا ہے۔ فائدہ نہیں۔ کیا حرہ کے واقعات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عثمانؓ کا قتل، جناب حسینؓ اور ابن الزبیرؓ کی شہادت، مظلومیت تلوار اور جبر کی قوت کے خلاف احتجاج نہیں۔ اور تو اور اللہ تعالیٰ کے مقدس انبیا تک تلوار کی خوئے خوں آشامی کا شکار ہوتے ہیں [۱]

احکام

احکام کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں :-

۱۔ کیا مسائل و احکام کے بیان کرنے میں قرآن نے قانون و فقہ کی مروجہ ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے یا اپنے مخصوص اسلوب ہی کے ضمن میں ان کی وضاحت کی ہے۔

۲۔ کیا مسائل و احکام کی تعیین میں قرآن نے حلال و حرام، جائز، مباح اور مندوب کی فقہی اصطلاحوں کو استعمال کیا ہے، یا اس امر میں بھی اپنے ہی طریق ابلاغ کو ترجیح دی ہے۔

۳۔ کیا مسائل و احکام میں اباحت اصل ہے حظر۔

۴۔ کیا مسائل و احکام میں کہیں تعارض رونما ہے۔ اور اگر بظاہر تعارض رونما ہے تو اس کے حل کی کیا صورت ہے۔

۵۔ نسخ آیات کی حقیقت کیا ہے ؟

۶۔ احکام و مسائل میں دلالتِ الفاظ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، یا دلالت معنوی کو ؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے۔ اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم چونکہ فطرتِ انسانی کا ترجمان ہے اس لیے اس میں مضامین کو بیان کرنے کے لیے وہی انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے فکر و استدلال کے داعیوں کی زیادہ سے زیادہ تسکین ہو سکے۔ جو بدرجۂ غایت مؤثر ہو جو دلوں میں گھر کر سکے، اور آسانی سے حفظ کی گرفت میں آسکے جو بلا کا جامع ہو، اور بوقلموں سیاقات کا حامل ہونے کی وجہ سے تعبیر و معانی کی رنگارنگی کا زیادہ سے زیادہ حامل ہو۔ جس میں بلاغت ہو جس کے الفاظ و پیرایہ میں، سحر، موسیقیت اور کھنک ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کا اسلوب بیان اگر اسی طرح مرتب، باب وار اور مصنوعی ہو جیسا کہ عام انسانی کتابوں میں ہوتا ہے کہ ایک باب میں صرف عقاید ہی کا تذکرہ ہو۔ دوسرے باب میں صرف عبادات پر روشنی ڈالی جائے۔ تیسرے میں احکام و عمل کے بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے، اور چھوٹے چھوٹے فقہی عنوانوں کے تحت قانون کی گتھیوں کو

---

[۱] احکام ج ۱، ص ۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلجھایا جائے تو اس صورت میں یہ فوائد ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔

قرآن کے اندازِ بیان اور انسانی ترتیب و تالیف میں وہی فرق پایا جاتا ہے، جو ایک سمندر اور آبِ جو میں ہے، یا ایک پُربہار وادی اور دبستان میں ہے۔ اس میں معانی اور مضامین کی ترتیب اپنی ہے۔ اس میں فکر و عقیدہ کی استواریاں بھی ہیں اور عمل و مسائل کی تعیین بھی۔ عبادات، اخلاص اور تصوف کے نکات بھی ہیں۔ اور اجتماعی زندگی کے بندھے ٹکے سانچے بھی۔ یہ بعد کے علما کا کام ہے کہ وہ اس کی روشنی میں علم الکلام کے خدوخال متعین کریں۔ تصوف و اخلاص کے موتی رولیں۔ اور فقہ و قانون کی مشکلات کو سلجھائیں۔ قرآن ان کو کسی بھی مرحلے میں مایوس نہیں ہونے دے گا۔

فیھا کتبٌ قیمۃ۔ (بینہ: ۳) ان میں دعوت و ارشاد کی سب بوقلمونیاں درج ہیں۔

قرآن حکیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دلوں میں توحید کا چراغ جلائے، بندوں کو یقین دلائے کہ اس زندگی کے بعد اس سے کہیں بہتر زندگی اور بھی ہے۔ ان کے اخلاق کی اصلاح کرے، کردار و سیرت میں بلندی، پاکیزگی اور رفعت پیدا کرے۔ اور ایسی بیچ کی راہ سجھائے کہ جس پر چل کر مسلمان دین و دنیا کی برکات سے بہرہ مند ہو سکیں۔ قرآن حکیم بار بار بلا کسی تصنع اور تعیین ابواب کے لیکن باسلوب تازہ ان مضامین کو بیان کرتا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن کے اسلوب بیان کو جو ابواب و فصول میں تقسیم پذیر نہیں ہے، ایسے مجموعہ فرامین سے تعبیر کیا ہے، جس میں رعایا کے حالات اور مسائل کی بنا پر مختلف اوقات میں بادشاہ نے مختلف فرامین صادر فرمائے۔ اور اس کے بعد کسی شخص نے ان تمام فرامین کو یکجا کر دیا۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ بالکل اسی اسلوب سے اس بادشاہ حقیقی نے آنحضرت پر بندوں کی ہدایت کے پیشِ نظر قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہر ہر سورت جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی۔ آپ نے ان کو مدوّن نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں۔ اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا۔ شاہ صاحبؒ اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن حکیم کی داخلی شہادتوں کو بھی پیش کیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ چونکہ سورتوں کا اندازِ بیان شاہی فرامین سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکاتیب کے طریقہ کی رعایت رکھی گئی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس طرح بعض مکاتیب خدا کی تعریف سے شروع کیے جاتے ہیں۔ اور بعض بیان غرض سے اور بعض کاتب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے بغیر عنوان کے ہوتے ہیں۔ نیز بعض مکتوب طویل ہوتے ہیں اور بعض مختصر ہوتے ہیں۔ اسی طرح خداوند جلت عظمتہ نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا ہے۔ بعض کو بیان غرض سے۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (البقرہ ۱:۱)

یہ وہ بلند مرتبہ کتاب ہے کہ جو شک سے منزہ ہے۔ اس میں صاحب اتقا لوگوں کے لیے ہدایت کی ارزانیاں ہیں۔

سورۃ انزلناھا وفرضنٰھا۔ (نور ۱:۱)

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس کی تعلیمات کو فرض ٹھہرایا۔

بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں جیسا کہ فرمایا:

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم ۝ (زمر ۱:۱)

تنزیل کتاب ہے عزیز و حکیم خدا کی جانب سے۔

کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر ۝ (ہود ۱:۱)

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات استوار و محکم ہیں۔ مزید براں حکیم و خبیر خدا کی طرف سے ان کی تفصیل بھی کی گئی ہے۔

اسلوبِ قرآن کے بارہ میں شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ ان فرامین میں عربوں کے ذوقِ شعری کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ جس طرح ان کے قصائد کا آغاز کبھی کبھی عجیب و غریب اور ہولناک واقعات سے ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی اسلوب بعض سورتوں میں خداوند تعالیٰ نے بعض سورہ کے لیے اختیار فرمایا۔

مثلاً: وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ (صٰفّٰت ۱:۱، ۲)

قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں پھر اُن فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا (ذاریات ۱:۱، ۲)

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اُڑاتی ہوں۔ پھر اُن بادلوں کی جو بوجھ (یعنی بارش) کو اُٹھاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت ۔ (تکویر : ۱)

جب ردائے آفتاب لپیٹ لی جائے گی اور تارے جھڑ پڑیں گے ۔

قرآن حکیم کیوں ابواب و فصول پر مشتمل ایک مرتب کتاب نہیں ۔ اس کا ایک جواب تو یہ مصلحتیں اور فوائد ہیں جن کو بیان کر دیا گیا ہے ۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے مزاج و جوہر کے لحاظ سے اس اسلوب و طرز کی نمائندگی کرتی ہے اسے ہم شفوی یا ([illegible]) کہتے ہیں ۔ یہ پہلے سے کوئی بنی بنائی یا تیار اور مدون کتاب نہیں کہ جس کو آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا گیا ہو ۔ بلکہ یہ انتقالِ حقیقت کی ایسی صورت ہے ، جو تئیس برس کے عرصے میں تکمیل و اہتمام کی منزل تک پہنچی ہے ۔

قرآن حکیم کے شفوی انداز میں نازل کرنے میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ اسلام کی رو سے نبوت کا تصور یہودی روایات سے بالکل مختلف ہے ۔ یہودی نبوت کو ایک میکانکی عمل تصور کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ پیغمبر اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔ یعنی کتاب تو بہرحال قطعی یقینی ، اور حجیت و استناد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے ، جس میں سہو و لغزش کا قطعی امکان نہیں ۔ مگر پیغمبر بہرحال معصوم نہیں ۔ چنانچہ کتاب کی غلط تعبیر پیش کر سکتا ہے ، گناہ اور بدی کا ارتکاب کر سکتا ہے ۔ حتیٰ کہ عشق و رومان میں مبتلا ہو کر ایسی حرکتیں بھی کر سکتا ہے جن کے انتساب سے ایک شریف آدمی بھی کانپ اُٹھے ۔

قرآن نبوت کے بارہ میں جو نظریہ پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر وحی کی پذیرائی کے سلسلہ میں قلب و ذہن کے سانچوں کو غیر متحرک نہیں رہنے دیتا ۔ یہ جب اللہ تعالیٰ سے براہِ راست یا جبریل کی وساطت سے اخذِ حقائق کرتا یا وحی و کتاب کو وصول کرتا ہے تو اس میں اس کے تمام قوائے عقلیہ برابر کے شریک ہوتے ہیں ۔ یہ صرف وحی کو سنتا یا کتاب کو اخذ ہی نہیں کرتا ، اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس کے نور و فیضان سے دل اور ذہن کے گوشوں کو منور بھی کرتا ہے ۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہنا چاہیے کہ یہ فیضان اس کے سرچشمۂ قلب سے اُبل اُبل کر کردار و سیرت کے دبستانوں کی آبیاری بھی کرتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر وحی سے علاوہ انتقالِ حقائق کے ان مفید عملی نتائج کو بھی پیدا کرنا مقصود ہو ۔ تو اس صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ پیغام شفوی انداز و اسلوب کا حامل ہو ، اور بتدریج نازل ہو ۔ کتابی یا پہلے سے مرتب و مدون نہ ہو جو پیغمبرؑ کے ہاتھ میں تھما دیا جائے ۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارے سامنے وحی کا ایک ہی پہلو ہے ، اور ہم اس بات سے ناواقف ہیں کہ حضرت موسیٰ کو تورات بیک وقت عطا کی گئی ۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یک وقت تورات یا الواح سے نوازا گیا لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے بعد یا پہلے وحی کے ذریعہ قلب و کردار کی اصلاح و تعمیر کا کام روک دیا گیا۔ بلکہ حضرت موسیٰ جب تک زندہ رہے، کتاب کے علاوہ وحی کے فیضان سے استفادہ کناں رہے۔ قرآن کریم کے اسلوب اظہار کے متعلق جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس کے مضامین کی نوعیت ایک مرتب و مدون کتاب کی سی نہیں کہ جس میں فقہ و احکام کے مسائل کو خاص ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہو تو لازمی طور پر احکام مسائل کا طریق بھی جداگانہ ہو گا۔ اس میں ایک لطیف اور نازک معنوی ربط کے باوجود بلیغ انداز کا اختلاط ہے یعنی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ توحید کے دلائل کے ضمن میں مختلف اقوام و ملل کا حال مذکور ہے اور اسی بحث کے دوران سیاق کی مناسبتوں کی رعایت سے حشر و نشر کی کیفیات کا تذکرہ ہے اور اخلاق یا اعلیٰ اقدار کی تشریح ہے۔ اور اسی کے پہلو بہ پہلو انبیاء علیہم السلام کے بلند تر سوانح اور کردار کی جھلکیاں ہیں۔ یعنی حقائق کا ایک دفتر اور گلستان ہے کہ قلب و نظر کو مہکا رہا ہے۔

مسائل و احکام کا یہ جداگانہ طریق کیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے اس حقیقت کو جان لینا کافی ہے کہ قرآن نے احکام و مسائل میں کسی شئی کی حرمت و تحلیل کے لیے وہ وضعی پیمانے استعمال نہیں کیے جن کو بعد کے فقہا نے متعین کیا۔ بلکہ اس سلسلہ میں اس نے اپنا مخصوص منہاج قایم رکھا۔ شراب حرام ہے لیکن قرآن اسے لفظ تحریم سے تعبیر نہیں کرتا۔ بلکہ ایک طرح کی اخلاقی اور روحانی ناپاکی قرار دیتا ہے۔ اور اسے ترک کر دینے کی بصورت امر تلقین کرتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مائدہ ۹۰)

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچے رہنا، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

صفا و مروہ کے مابین سعی و طواف واجب ہے، لیکن قرآن کے پیرایۂ بیان سے محض جواز کا پہلو نکلتا ہے۔

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔ ومن تطوع خیرا، فان اللہ شاکر

بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہے سو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان سعی و طواف انجام دے اور جو کوئی بھی نیکی کو اپنائے گا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیم۔ (البقرہ: ۱۵۸) — اللہ اس کا صلہ دینے والا اور اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

قرآن نے اس پیرایۂ بیان کو ایک تاریخی ضرورت کے پیش نظر اختیار فرمایا۔ بات یہ تھی کہ صفا و مروہ پر زمانہ جاہلیت میں اساف و نائلہ کے بت نصب تھے۔ صحابہ کو سعی و طواف میں اس بنا پر تامل تھا کہ مبادا اس سے بت پرستی کے جذبات کی تائید نہ ہو۔

فقہ کا ایک عام معروف قاعدہ یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے۔ لیکن قرآن نے امر کو محض استحباب کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا۔ (احزاب: ۵۳) — ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو اٹھ جاؤ۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض (جمعہ: ۱۰) — سو جب نماز پڑھ چکو تو تم زمین پر پھیل جاؤ۔

ظاہر ہے کہ کھا لینے یا نماز پڑھ لینے کے بعد ضرورتاً بیٹھ جانا ناجائز یا حرام نہیں۔

مکروہ کا لفظ عموماً ایسے اعمال پر بولا جاتا ہے، جن کا ارتکاب برا ہو۔ حرام نہ ہو۔ مگر قرآن حکیم نے اس کا اطلاق، ان امور پر کیا ہے، جن کا تعلق اگرچہ اخلاقیات سے ہے۔ تاہم ان کی حرمت میں شبہ نہیں ہے:۔

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔ کل ذلک کان سیئہ عند ربک مکروھا۔ (اسراء: ۳۸) — زمین پر اترا کر نہ چل، یقیناً نہ تو تو زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا۔ ان سب کی برائی تیرے رب کے نزدیک ناپسند ہے۔

چونکہ فقہی اصطلاحیں بعد کی ہیں، اس لیے قرآن میں احکام و مسائل کی حیثیت کو متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی فیصلہ تک پہنچنے سے پہلے، قرآن کے پورے نظام احکام پر غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ سیاق و سباق کی کن مناسبتوں کے پیش نظر کن الفاظ کا استعمال ہوا ہے، اور قرآن حکیم نے جن روحانی، اخلاقی و اجتماعی قدروں کی وضاحت کی ہے۔ ان کی روشنی میں کسی مسئلہ کی اسلام کے نظام احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کیا جگہ متعین کی جا سکتی ہے ۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آنحضرتؐ، صحابہ اور قرونِ اولیٰ کے فقہا یا سلف نے ان مسائل و احکام کو کس حیثیت سے قبول کیا ہے ۔ اس لیے کہ قرآن خلا میں بہرحال نازل نہیں ہوا ۔ اور نہ اسلام کی فکری و عملی تاریخ میں کہیں انقطاع یا رخنہ اور خلل ہی رونما ہوا ہے ۔ یہ ایسی کتاب ہے ۔ جس کی آنحضرتؐ نے تشریح کی ہے ۔ جس پر دنیائے اسلام نے عمل کیا ہے ، اور جس کا ایک ایک جزئیہ فقہ اور تاریخ کے دفاتر میں محفوظ ہے ۔

بعض کوتاہ اندیش لوگ قرآن کی تفسیرِ احکام کے سلسلہ میں جو طرزِ فکر اختیار کرتے ہیں ، وہ حمورابی کی شریعت وقانون کے لیے تو مناسب ہے ۔ ویدوں اور قدیم ایرانی دساتیر کی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے بھی اس انداز واسلوب سے کام لیا جا سکتا ہے کہ کسی ایک آیت یا نص کو لیا اور لغت کو سامنے رکھ کر اس پر استدلال کی پرشکوہ عمارت کھڑی کر دی ۔ لیکن ایک ایسی کتاب سے متعلق استدلال کا یہ ڈھنگ اختیار نہیں کیا جا سکتا ، جو نہ صرف تاریخ کے جانے بوجھے دور میں نازل ہوئی ہو بلکہ جس نے تاریخ سازی کی ہو ۔ جس نے ایک جیتا جاگتا معاشرہ قائم کیا ہو ۔ اور انسانی فکر وعمل کے دھاروں کو بدلا ہو ۔ ایسی کتاب کے کسی حکم یا مسئلہ کو سمجھنے کے لیے اس کے پورے نظامِ احکام پر نظر ڈالنا ہوگی جس میں قرآن کا فلسفۂ احکام ، زیرِ بحث مسئلہ کے بارہ میں متعلقہ آیات ، احادیث میں مذکورہ تشریحات اور قریب ترین اسلامی معاشرہ میں اس پر عمل کی نوعیت شامل ہیں ۔ ان سب چیزوں کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام میں کسی متعین امر و نہی کی حیثیت کیا ہے ۔ جو لوگ اس کے برعکس قرآن کی تعبیر وتشریح کے لیے صرف لغت کا سہارا لیتے ہیں ۔ وہ نہ صرف سہل انگاری کے مجرم قرار پاتے ہیں ۔ بلکہ اسلام کی تاریخی حیثیت سے انکار بھی ان کی فردِ جرم میں داخل ہے ۔

احکام و مسائل کے سیاق میں ایک اہم بحث یہ بھی ہے کہ کیا قرآن حکیم کی رو سے احکام و نواہی کا نظام کسی مصلحت ، معنی اور تعلیل پر مبنی ہے یا نہیں ۔ اس کے جواب میں ہم دو گروہوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں ۔ اشاعرہ جس طرح امورِ کونیہ میں تعلیل وتسبب کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح امورِ دینیہ میں ان کے نزدیک کوئی مصلحت ، معنی ، یا حکمت اس لائق نہیں کہ اس کو علت و اسباب قرار دے کر فکر و اجتہاد کے بالا خانے تعمیر کیے جائیں ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سرے سے احکام کو حکمت و مصلحت سے عاری سمجھتے ہیں ۔ اس کے برعکس ان کا موقف یہ ہے کہ جس طرح امورِ کونیہ میں علل و اسباب کی حیثیت محض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتران کی ہے علل و اسباب کی نہیں۔ اس طرح شرائع میں حکمت و مصلحت کا بیان تو پایا جاتا ہے مگر حکمت و مصلحت کی حیثیت تعلیل و سبب کی نہیں، محض اقتران والحاق کی ہے۔ جمہور اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ احکام و مسائل میں صرف مصالح و حِکم کا وجود مسلم ہے بلکہ جزئیات میں کارفرما بھی ہیں۔ اور ان کی روشنی میں اس فہم و بصیرت، اس ادراک و علم اور استنباط و استدلال سے کام لیا جاسکتا ہے۔ جس کی حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کے نام ایک مکتوب میں۔ الفہم الفہم کہہ کر تلقین کی ہے۔ جمہور اہل السنت کا مسلک قرآن کے انداز دعوت کے عین مطابق ہے۔ یعنی قرآن جب بار بار فکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ اور حشر و نشر کی کیفیتوں کو ثابت کرنے کے لیے اس دنیا کے مظاہر رنگارنگ کو پیش کرتا ہے تو اس کے صاف صاف معنی یہ ہیں۔ عقاید، مسائل اور احکام میں حکمت و معنی کے موتی چننا اور فقہ و اجتہاد کی رو اتنے رنگارنگ پہ ٹانکنا اور سجانا، عین تقاضائے دین ہے۔

اشاعرہ کے مسلک میں جو فکری اُلجھن ہے امور کونیہ کی سطح پر اس کا احساس نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ ایک فعل کے اگر ایک رد عمل بہرحال ظہور پذیر ہوتا ہے تو یہ فعل چاہے بر سبیل اقتران ہو، چاہے بر سبیل لزوم سائنس کے نقطہ نگاہ سے زیادہ اہم نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر آگ ہمیشہ تپش و ضو پیدا کرتی ہے، پانی ہمیشہ غنی کو جنم دیتا ہے اور ہوا بغیر کسی روک ٹوک کے نکہت و بُو کو فضا میں بکھیرنے کا موجب قرار پاتی ہے تو اس سے تجربہ بہرحال آگے بڑھتا ہے اور سائنس کو اسباب و مسببات کے اس رشتہ سے ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن دین میں اگر مصلحت و حکمت کو کارفرما نہ مانا جائے، تو فکر و اجتہاد اور فہم و بصیرت کا پورا کارخانہ بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔ (باقی باقی)

مقالات : از مولانا محمد جعفر پھلواروی

یہ کتاب مولانا محمد جعفر پھلواروی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ "المعارف" اور دیگر مجلات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں پرانی باتیں نہیں دہرائی گئی ہیں۔ بلکہ نئے افکار، نئی تحقیقات اور نئے استدلال ہیں اور اجتہاد و فکر کا رنگ نمایاں ہے۔ اس مجموعہ میں تاریخی، دینی فقہی، عقلی، ثقافتی ہر طرح کے مضامین شامل ہیں۔ قیمت : ۱۰/۵۰ روپے۔

ملنے کا پتہ :- ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com